بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۳۴۳ھ ہجری میں سلطان ابن سعود نے حجازِ مقدس کی سرزمین پر قبضہ کرلیا اور حرمین شریفین کے جنت معلیٰ اور جنت البقیع کے ہزاروں کے قبے گرا دیئے۔ جس کی وجہ سے عام طور پر عالمِ اسلام کے مسلمانوں میں سخت ناراضگی پیدا ہوگئی تو سلطان نے ۱۳۴۳ھ ہجری کے موقع حج پر ایک مؤتمر منعقد کی۔ جس میں ہندوستان کے علماء کی طرف سے حضرت مفتی کفایت اللہؒ صدر جمیعت علماء ہند دہلی، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ مولانا شوکت علیؒ اور کچھ دیگر علماء بھی شامل ہوئے۔

سلطان ابن سعود کی تقریر

اس موقعہ پر سلطان ابن سعود نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

(الف) "چار اماموں کے فروعی اختلافات میں ہم تشدد نہیں کرتے لیکن اصل توحید اور قرآن وحدیث کی اتباع سے کوئی طاقت ہمیں الگ نہیں کر سکتی خواہ دنیا راضی ہو یا ناراض۔"

(ب) "یہود ونصاریٰ کو ہم کیوں کافر کہتے ہیں؟ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (یعنی ہم ان کی پوجا وعبادت اللہ تعالیٰ کے تقرب ورضا حاصل کرنے

کے لیے کرتے ہیں) تو جو لوگ بزرگانِ دین کی قبروں کی پرستش اور ان کے سامنے سجدے کرتے ہیں، وہ بُت پرستوں ہی کی طرح کافر و مشرک ہیں۔"

(ج) جب حضرت عمرؓ کو پتہ چلا کہ کچھ لوگ وادئ حدیبیہ میں شجرۃ الرضوان کے پاس جا کر نمازیں پڑھتے ہیں تو حضرت عمرؓ نے اس درخت کو ہی کٹوا دیا تھا کہ آئندہ خدانخواستہ لوگ اس درخت کی پوجا نہ شروع کر دیں۔"

سُلطان کا مطلب یہ تھا کہ قبّے گرانا بھی درختِ رضوان کو کٹوانے کی طرح ہی ہے۔

ہندوستان کے تمام علماء نے یہ طے کیا کہ ہماری طرف سے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندیؒ سُلطان ابنِ سعود کی تقریر کا جواب دیں گے۔

مولانا عثمانیؒ کی ایمان افروز تقریر

مولانا عثمانیؒ نے پہلے تو اپنی شاندار پذیرائی اور مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد فرمایا:

(الف) "ہندوستان کے اہلِ سُنّت علماء پوری بصیرت کے ساتھ تصریح کر کے کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اتباع پر پورا زور صرف کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکمل اتباع میں ہی سرکامیابی ہے لیکن کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مواقع استعمال کو سمجھنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لیے صائب رائے اور صحیح اجتہاد کی اشد ضرورت ہے۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے نکاح فرمایا اور اس بات کا بالکل خیال نہ رکھا کہ دنیا کیا کہے گی دوسری طرف خانہ کعبہ کو گرا کر بنائے ابراہیمی پر تعمیر کرنے سے نئے نئے مسلمانوں کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے آپؐ رک گئے تاکہ دنیا والے یہ نہ کہیں کہ محمدؐ نے خانہ کعبہ ڈھا دیا۔ دونوں موقعوں کا فرق حضورؐ کے اجتہادِ مبارک پر موقوف ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔ (یعنی کفار و منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو) ایک طرف تو اس حکمِ خداوندی کا تقاضا ہے کہ کفار و منافقین کے ساتھ سختی کی جائے اور دوسری طرف آپ نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی نمازِ جنازہ پڑھا دی نیز صحابہؓ نے عرض کیا کہ منافقین کو قتل کر دیا جائے۔ مگر آپؐ نے بات منظور نہ فرمائی۔ خَشْيَةَ اَنْ يَّقُوْلَ النَّاسُ اَنَّ مُحَمَّدًا يَّقْتُلُ اَصْحَابَهٗ (یعنی اس اندیشہ کے پیشِ نظر کہ لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں

کو قتل کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ سے بظاہر مطابقت نہیں رکھتیں تو اس فرق کو سمجھنے کے لیے بھی مجتہدانہ نظر کی ضرورت ہوتی ہے جو ہما و شما کے بس کی بات نہیں اور ایسے مواقع پر فیصلہ کرنے کے لیے بڑے تفقہ اور مجتہدانہ بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے کہ نص کے تقاضے پر کہاں عمل کیا جائے گا اور کس طرح عمل کیا جائے گا۔ یہ تفقہ اور اجتہاد کی بات ہے۔

(ب) سجدۂ عبادت اور سجدۂ تعظیم کا فرق بیان کرتے ہوئے مولانا عثمانی رح نے فرمایا:

"اگر کوئی شخص کسی قبر کو یا غیر اللہ کو سجدۂ عبادت کرے تو وہ قطعی طور پر کافر ہو جاتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر سجدہ سجدۂ عبادت ہی ہو جو شرکِ حقیقی اور شرکِ جلی ہے، بلکہ وہ سجدۂ تحیت بھی ہو سکتا ہے جس کا مقصد دوسرے کی تعظیم کرنا ہوتا ہے اور یہ سجدۂ تعظیمی شرکِ جلی کے حکم میں نہیں ہے ہاں ہماری شریعت میں قطعاً ناجائز ہے اور اس کے مرتکب کو سزا دی جا سکتی ہے، لیکن اس شخص کو مشرکِ قطعی کہنا اور اس کے قتل اور مال ضبط کرنے کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ خود قرآنِ پاک میں حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے سجدہ کرنے اور حضرت یوسف عَلَیْهِ السَّلَام کو ان کے بھائیوں اور

والدین کے سجدہ کرنے کا ذکر موجود ہے اور مفسرین کی عظیم اکثریت نے اس سجدہ سے معروف سجدہ (زمین پر ماتھا رکھنا) کہی مراد لیا ہے اور پھر اس کو سجدہ تعظیمی ہی قرار دیا ہے۔ بہرحال اگر کوئی شخص کسی غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کرے تو وہ ہماری شریعت کے مطابق گنہ گار تو ہوگا، لیکن اسے مشرک، کافر اور مباح الدم والمال قرار نہیں دیا جا سکتا اور اس بیان سے میرا مقصد سجدۂ تعظیمی کو جائز سمجھنے والوں کی وکالت کرنا نہیں بلکہ سجدۂ عبادت اور سجدۂ تعظیمی کے فرق کو بیان کرنا ہے۔ رہا مسئلہ قبّوں کے گرانے کا اگر ان کا بنانا صحیح نہ بھی ہو تو ہم قبّوں کو گرا دینا بھی صحیح نہیں سمجھتے۔ امیر المؤمنین ولید بن عبد الملک علیشمی (اموی) نے حاکمِ مدینہ حضرت عمر بن عبد العزیز علیشمی کو حکم بھیجا کہ امہات المؤمنین کے حجراتِ مبارکہ کو گرا کر مسجدِ نبوی کی توسیع کی جائے —— اور حضرت عمر بن عبد العزیز علیشمی نے دوسرے حجرات کو گراتے ہوئے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حجرہ بھی گرا دیا۔ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما کی قبریں ظاہر ہو گئیں تو اس وقت حضرت عمر بن عبد العزیز اتنے روئے کہ ایسے روتے کبھی نہ دیکھے گئے تھے۔ حالانکہ حجرات کو گرانے کا حکم بھی خود

ہی دیا تھا۔ پھر سیدہ عائشہ رض کے حجرے کو دوبارہ تعمیر کرنے کا حکم دیا اور وہ حجرۂ مبارکہ دوبارہ تعمیر ہُوا۔

اس بیان سے میرا مقصد قبروں پر گنبد بنانے کی ترغیب دینا نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ قبورِ اعاظم کے معاملے کو قلوب الناس میں تاثیر اور دخل ہے جو اس وقت حضرت عمر بن عبد العزیز رح کے بے تحاشا رونے اور اس وقت عالم اسلام کی آپ سے ناراضگی سے ظاہر ہے۔

(ج) حضرت عمر رض نے درخت کو اس خطرہ سے کٹوا دیا تھا کہ جاہل لوگ آئندہ چل کر اس درخت کی پوجا نہ شروع کردیں۔ بیعت رضوان ۶ھ ہجری میں ہوئی تھی اور حضور علیہ السلام کا وصال پُر ملال ۱۱ھ ہجری میں ہُوا۔ آپ صلعم کے بعد خلیفۂ اوّل کے عہدِ خلافت کے اڑھائی سال بھی گزرے لیکن اس درخت کو کٹوانے کا نہ حضور علیہ السلام کو خیال آیا نہ صدیق اکبر رض کو۔ ان کے بعد حضرت عمر رض کی خلافتِ راشدہ قائم ہوئی۔ لیکن یہ بھی متعین نہیں ہے کہ حضرت عمر رض نے اپنی دس سالہ خلافت کے کون سے سال میں اس درخت کے کٹوانے کا ارادہ کیا۔ گو حضرت عمر رض کی صوابدید بالکل صحیح تھی لیکن یہ گنبد تو صدیوں سے بنے چلے آرہے تھے اور اس چودھویں صدی میں بھی کوئی آدمی ان کی پرستش کرتا ہوا نہیں دیکھا گیا۔

(۷) رہا وہاں نماز پڑھنا، تو حدیث معراج میں آتا ہے۔ کہ جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام نے حضور عَلَیْہِ السلام کو چار جگہ براق سے اتر کر نماز پڑھوائی۔ پہلے مدینہ میں اور بتایا کہ یہ جگہ آپؐ کی ہجرت کی ہے، دوسرے جبلِ طور پر کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام سے کلام فرمایا۔ پھر مسکنِ حضرت شعیب پر جو تھے بیت اللحم پر جہاں حضرت عیسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کی ولادت ہوئی تھی۔

(نسائی شریف کتاب الصلوٰۃ ص ۸۰ مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۶ھ)

(۱) پس اگر جبلِ طور پر حضورؐ سے نماز پڑھوائی گئی کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کے ساتھ کلام کیا تھا، تو جبلِ نور پر ہم کو نماز سے کیوں روکا جائے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی پہلی وحی حضور عَلَیْہِ السَّلَام پر آئی تھی۔

(۲) مسکنِ شعیبؑ پر حضورؐ سے نماز پڑھوائی گئی تو کیا غضب ہو جائے گا جو ہم مسکنِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پر دو نفل پڑھ لیں جہاں حضور عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنی مبارک زندگی کے اٹھائیس نورانی سال گزارے تھے۔

(۳) جب بیت اللحم مولدِ حضرت عیسٰی علیہ السلام پر حضور علیہ السلام سے دو رکعت پڑھوائی جائیں تو امتِ محمدیہ کیوں مولدِ نبی کریمؐ پر دو رکعت پڑھنے سے روکی جائے جبکہ طبرانی نے مقام مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کو اَنۡفَسُ الۡبِقَاعِ بَعۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ فِی مَکَّةَ مکۂ مکرمہ میں مسجدِ حرام کے بعد مقامِ مولدِ نبی کریم علیہ التسلیم کو کائناتِ ارضی کا نفیس ترین ٹکڑا قرار دیا ہے۔

(۴) مسکنِ شعیبؑ پر حضرت موسیٰؑ نے پناہ لی تھی، تو اس جگہ آپ سے دو نفل پڑھوائے گئے تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑے گی جو ہم لوگ غارِ ثور جہاں حضور علیہ السّلام نے تین دن پناہ لی تھی، دو نفل پڑھ لیں۔

سُلطان ابنِ سعود کا جواب

مولانا عثمانی رحؒ کے اس مفصل جواب سے شاہی دربار پر سناٹا چھا گیا۔ آخر سلطان ابنِ سعود نے یہ کہہ کر بات ختم کی کہ:

”میں آپ کا بہت ممنون ہوں اور آپ کے بیان اور خیالات میں بہت رفعت اور علمی بلندی ہے۔ لہٰذا میں ان باتوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ ان تفاصیل کا بہتر جواب ہمارے علماء ہی دے سکیں گے۔ ان سے ہی یہ مسائل حل ہو سکتے ہیں۔“